© rasailojaraid.com

وجودِ حق کی نشانیاں

قاضی مظہرالدین طارق

انسان کب سے اس دنیا میں موجود ہے؟ وہ کب سے زندہ ہے؟ وہ کون ہے؟ وہ کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جانا ہے؟ اس کے چاروں طرف جو کچھ ہے، اس کی اَصلیت کیا ہے؟ اس کے ماں باپ بہن بھائی اور دیگر لوگ، جمادات، نباتات، حیوانات، یہ زمین، چاند، سورج اور ستارے، یہ کہکشاں، یہ کائنات کیسے وجود میں آئے؟ کیا یہ خود بخود اور اتفاقیہ بن گئے ہیں؟ یا اِن کو کسی نے بنایا ہے اور اگر کسی نے بنایا ہے تو کیوں بنایا ہے؟ــــ انسانی زندگی اور کائنات سے متعلّق یہ سوالات نہایت اہمیّت کے حامل ہیں۔ ان کے جوابات کے نتیجے میں ہی زندگی کا رُخ متعین ہوتا ہے اور تہذیب وتمدن کے اصول طے پاتے اور بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔

انسانی علم کی حقیقت

انسان قدیم زمانے سے اِن سوالات پر بہت سوچ بچار کرتا رہا ہے۔ وہ تخلیقِ کائنات، تخلیقِ حیات اور خود اپنی تخلیق کے بارے میں اَن گنت نظریات قائم کرتا رہا، پھر نئی معلومات اور نیا علم حاصل ہونے پر ان کو چھوڑتا رہا اور نئے نظریے قائم کرتا رہا۔ انسانی علم کا دارومدار صرف حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والے مشاہدے، تجربات وتجزیوں پر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اس کے ہی مشاہدے پر مشتمل ہوسکتا ہے، یعنی جو کچھ اس جہاں میں انسان کو نظر آسکتا ہے یا محسوس ہوسکتا ہے، چاہے براہِ راست یا مختلف آلات کی مدد سے۔ اور جو کچھ حواس سے ماورا ہے، اس کا انسان نہ مشاہدہ کرسکتا ہے، نہ محسوس کرسکتا ہے، نہ اس پر تجربات کرسکتا ہے۔ سائنس کا علم مادّے اور توانائی جیسی محسوس ہونے والی چیزوں تک محدود ہے۔ آج کا انسان بھی آج جو کچھ حاضر وموجود ہے

© rasailojaraid.com

اس کا ہی علم رکھتا ہے اور رکھ سکتا ہے۔ جو کچھ کائنات میں اس وقت موجود ہے یا بن رہا ہے، یعنی تخلیق و تشکیل پا رہا ہے اس کا ہی مشاہدہ کرسکتا ہے، اس پر تجربات اور تجزیہ کرسکتا ہے۔ تاہم سورج، چاند، ستارے اور اس زمین پر موجود اَن گنت اَنواع و اَقسام کے جانور پہلی مرتبہ کیسے وجود میں آئے؟ اس کے بارے میں علمی و سائنسی بنیادوں پر حتمی طور پر وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔[1] انسان قیاس کرسکتا ہے اور پھر اس قیاس کی بنیاد پر کچھ تجربات کر کے ثابت کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس بنیاد پر کچھ اصول وضوابط اور قوانین بنا سکتا ہے۔

بیسویں صدی کے اَوائل میں آسمان کا مشاہدہ کرنے والے ایک شخص 'اڈون ہبل' نے فلک پر موجود اَجرام کو ایک دوسرے سے دُور بھاگتے دیکھا، تو اس بنیاد پر قیاس کیا گیا کہ ایک ایسا وقت ضرور رہا ہوگا جب یہ ساری کائنات یک جا تھی، ایک نہایت باریک نکتے سے بننا شروع ہو کر اب اس قدر پھیل گئی ہے۔[2] اس قیاس کو عظیم دھماکے (Big Bang) کا نام دیا گیا۔ برسوں تجربات کر کے بڑی مشکل اور مزاحمت کے بعد علمی و سائنسی دنیا کی عظیم اکثریت نے اِس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا، لیکن یہ امکان اب بھی باقی ہے کہ ایسا نہ ہوا ہو۔ اَیسا ہی ایک نظریہ اس زمین پر زندگی کی آمد کے بارے میں قیاس کیا گیا تھا کہ حیات کا پہلا سالمہ (molecule) زمین کے ماحول میں بہت سے جواہر اور سالموں کے ازخود مل جانے سے خود بخود اتفاقیہ حادثاتی طور پر تشکیل پا گیا اور اس سے ترقی کرتا ہوا انسان ارتقا کی منزل تک پہنچ گیا۔ پہلے سالمے کے ازخود بن جانے کے اس قیاس کو ثابت کرنے کے لیے 'سٹنلے ملر' نے ناکام تجربہ کیا۔[3] اس کے بعد سے اب تک ہزاروں تجربات کیے گئے لیکن اب ایک صدی ہونے کو آئی ہے لیکن کسی کو کامیابی نصیب نہ ہوسکی۔

انسانی ارتقا اور سائنسی حقائق

ارتقا کا نظریہ اس پہلے سالمے کی از خود (It self) اتفاقی (by chance) حادثاتی (accidental) پیدایش کی بنیاد پر پیش کیا گیا تھا۔ ایک سادہ ترین یک خلوی (uni cellular) جان دار سے اِرتقا پاتا ہوا انسان بنا، مگر جب پہلے 'سالمے' کا ازخود بن جانے کا ثبوت نہ مل سکا اور نہ پہلے زندہ خلیے (living cell) کا ثبوت ملا کہ کب اور کہاں بنا؟___ انسانی علم تو اب تک یہ بھی نہیں طے کرسکا کہ حیات کی ابتدا کس مرحلے سے ہوئی، ایک خلیے (cell) سے، DNA سے، RNA،

© rasailojaraid.com

سے، امائینو تُرشوں (Amino Acids) سے یا اس سے بھی سادے بنیادی سالموں سے[۴] ــــــ تو انسان کی ارتقا کے ذریعے آپ سے آپ پیدایش کی بات کیسے کی جاسکتی ہے، جب کہ ایک خلیے کو بنانے کے لیے کم وبیش ۱۰ لاکھ سالموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ ایک دور کی کوڑی ہاتھ لگی ہے کہ جب خلا سے آنے والے پتھروں (Meteoroids) کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں ایسے سالمے موجود ہیں جو صرف زندہ خلیوں میں ہوتے ہیں۔ یہ وہ سالمے ہیں جن سے زندگی کی ابتدا ہوئی ہے۔ کئی شہابِ ثاقب جو خلا سے زمین پر وارد ہوئے ان میں یہ سالمے پائے گئے۔ ایسے بھی شہاب ملے جس میں بکٹیریا کی پوری کالونی کے آثار تھے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب ان کی عمر کا حساب لگایا گیا تو اِن کی عمر نظامِ شمسی کی عمر سے بھی زیادہ نکلی، یعنی کہ یہ سالمے اور خلیوں کی کالونیاں خلا میں بہت دور کہیں نظامِ شمسی کی پیدایش سے بہت پہلے بنے تھے۔ یہ خلیے نظامِ شمسی کی پیدایش سے پہلے موجود تھے، مگر اب تک جدید تحقیق سے یہ سب تجزیے ثابت نہیں کیے جاسکے ہیں۔[۵]

انسانی فکر کا مخمصہ

آج کے انسان کی بدنصیبی دیکھیے کہ آج کا انسان، اتنی بہت ساری معلومات کے باوجود، جو مسلسل تجربات سے پرکھ بھی لی گئی ہیں، اس سے حاصل ہونے والے صاف صاف اور واضح نتائج کو بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اس لیے کہ آج کا انسان بہت سارے علوم سے واقف ہونے کے باوجود اپنی ہی قائم کی ہوئی ایک بنیادی فکر کا غلام ہے۔ اس نے اس کی ایک یک رنگی عینک پہن رکھی ہے۔ یہ اس کو ہر چیز کا وہی رنگ دکھاتی ہے، جو اِس عینک کا رنگ ہے، جو اس نے خود ہی پہن رکھی ہے۔ اسٹیفن ہاکینگ برطانیہ کے ایک سائنس دان ہیں جنھوں نے اپنی کتاب کا نام ہی 'عظیم منصوبہ' (The Grand Design) رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''یہ کائنات، پہلے سے بنائے ہوئے منصوبے کے بغیر بننا شروع ہی نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر کچھ طبعی قوانین (physical laws) تھے جو خود بخود عمل پذیر تھے، جن کی بنیاد پر یہ کائنات آپ سے آپ اور اتفاقیہ اور حادثاتی طور پر 'عظیم دھماکے' سے بننا شروع ہوگئی''۔ حیرت انگیز! پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ''عظیم دھماکے سے پہلے کچھ بھی نہ تھا، نہ توانائی، نہ مادہ، نہ کوئی دھماکا کرنے والا تھا''۔ گویا اس دھماکے کے لیے نہ بارود تھا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ دیا سلائی، نہ بارود کو دیا سلائی دکھانے والا۔بس دھماکا ہوگیا،اور کہتے ہیں کہ وہ اس کام کے لیے ''کسی خالق(God) کی ضرورت محسوس نہیں کرتے''۔ 'عظیم منصوبہ' تو موجود تھا مگر کوئی 'عظیم منصوبہ ساز' نہیں تھا، طبعی قوانین تو تھے مگر اس کا کوئی بنانے اور چلانے والا نہیں تھا،قوانین حرکت میں تھے مگر حرکت دینے والا کوئی نہ تھا''[۶] ___ کیا یہ ایک انتہائی مضحکہ خیز، غیر علمی، غیر منطقی اور غیر سائنسی بات نہیں ہے؟

انسان کھرب ہا کھرب اِحتمالات و اِمکانات کے دقیق و عمیق حساب و کتاب (minute & precise calculations) خود کرتا ہے اور خود ہی رَد کر دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کائنات کو خود بخود بننے کے لیے پہلے ہی سے اس کی منصوبہ بندی، اس کے ہر ہر مرحلے کی تفصیلات،اس کے ہر ہر مرحلے کی ترتیب کو مقرر کرنا ضروری تھا، اور ظاہر ہے کہ اتنے دقیق حسابات، عظیم منصوبے اور حسن ترتیب کیا خود بخود بغیر کسی کرنے والے کے ہو سکتے ہیں؟___ہاں! آج کے تعلیم یافتہ انسان اسی مفروضے پر نہ صرف اَڑے ہوئے ہیں بلکہ اسی کو عین علمی،سائنسی اور عقلی (rational) و منطقی (logical) رویہ سمجھ رہے ہیں۔ گویا جانتے بوجھتے حقیقت سے فرار اختیار کر کے اور آنکھوں کو بند کر کے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کو ہی سائنسی و عقلی رویہ کہتے ہیں۔

اس رویّے کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اِس کا کوئی خالق بھی ہے،اور اس بات پر بھی انھیں شک ہے کہ یہ کائنات تخلیق کی گئی ہے اور اس کو کبھی ختم بھی ہو جانا ہے۔ ہر طریقے سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ 'عظیم دھماکے' کو بھی برسوں تک مان کر نہ دینے کی بھی یہی وجہ تھی۔ اگر دھماکے کو مانتے ہیں تو عدم سے وجود کو ماننا پڑے گا۔ عدم سے وجود کو مانیں تو تخلیق کو ماننا پڑے گا،تخلیق کو مانیں تو خالق کو ماننا پڑے گا اور خالق کو مانیں تو اس خلاّقیت کا مقصد بھی جاننا ہوگا۔ اگر مقصدِ تخلیق معلوم ہو جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایک روز خالق کو یہ پوچھنے کا اختیار ہوگا کہ اس نے مقصد کو پورا کیا یا نہیں؟ پھر مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے والے کو جزا اور نہ پورا کرنے والے کو سزا دینا ضروری ہوگا، پھر اس جزا و سزا کو نافذ کرنے کے لیے ایک نئی زندگی بھی ضروری ہو جائے گی۔ یہ وجہ ہے جس کے لیے یہ غیر علمی و غیر سائنسی مفروضہ طے کیا ہوا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہی نہیں ہے، یہ از خود حادثاتی طور پر بن گئی ہے۔ مگر 'عظیم دھماکے' کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے تردد کے ساتھ ماننے کے بعد یہ لوگ عجیب مخمصے میں پھنس گئے ہیں۔ دھماکے کو ماننے سے نہ صرف خالق کو ماننا ضروری ہوجاتا ہے، بلکہ عدم سے وجود کو ماننے سے، 'ابتدا' کو ماننے کے ساتھ 'خاتمہ' کو ماننا اور دوسری زندگی کو ماننا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔

غیر علمی و غیر سائنسی رویّہ

یہ رویہ غیر علمی و غیر سائنسی ہے۔ کیونکہ بڑے بڑے سائنس دانوں نے انسانی علم 'سائنس' کی یہی تعریف کی ہے کہ چاہے مشاہدات ہوں یا تجربات، یا ان کی بنیاد پر بنائے گئے اصول و قوانین، سب قیاس اور مفروضوں کی بنیاد پر انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کی بنیاد پر کوئی حتمی و یقینی بات نہیں کی جاسکتی ہے۔ سائنس نہ کسی بات کی تصدیق ہی کرسکتی ہے، نہ تکذیب (falsify)۔ انسانی علم (سائنس) صرف ممکنہ ٹھوس حقائق کی بات کرسکتا ہے، مسلّمہ ٹھوس حقائق بتانا اس کے بس میں ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ کسی بھی اِحتمال کو سائنسی بنیاد پر نہ مکمل طور پر قبول کرسکتے ہیں نہ رَد۔ اگر آپ حتمی طور پر یہ کہیں کہ یہ کائنات کسی کے بنائے بغیر خود بخود بن گئی ہے تو یہ ایک انتہائی غیر سائنسی رویّہ ہی کہلائے گا۔[۷]

کیا آج کے عظیم علم اور دقیق و عمیق حساب و کتاب کے جاننے والے کی اِنتہائی بدبختی و بدنصیبی نہیں ہے کہ اس نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ کائنات، یہ حیات، یہ انسان کسی کے پیدا کردہ نہیں ہیں، بلکہ یہ خود محض اتفاق سے حادثاتی طور پر اپنے آپ وجود میں آگئے ہیں اور سادہ ترین زندگی سے ترقی کرتے کرتے انسان تک پہنچے ہیں۔ آپ سے آپ اور اتفاقیہ حادثاتی طور پر بننے کو ثابت کرنے کے لیے مفروضوں کی بنیاد پر عجیب عجیب نظریات پیش کیے جارہے ہیں کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ کبھی کہتے ہیں کہ ایک 'عظیم دھماکے' سے یہ کائنات بنی۔ کائنات میں جتنی توانائی تھی جب اس سے سارے ستارے بن چکیں گے، یہ سب ستارے پھٹ کر 'سیاہ جوف' (Black Holes) میں تبدیل ہوچکیں گے، پھر ان 'سیاہ جوفوں' کی توانائی بھی فنا ہوجائے گی، تو پھر کائنات واپس عظیم دھماکے سے پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائے گی، پھر ایک نیا عظیم دھماکا ہوگا۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا ہے یوں ہی چلتا رہے گا۔[۸]

حال ہی میں ایک اور نظریہ یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ جیسی ہماری کائنات ہے ایسی بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساری کائناتیں ہیں جن کے عظیم دھماکے پانی کے بلبلوں کی طرح مسلسل ہورہے ہیں، کئی بن رہے ہیں اور کئی ختم ہورہے ہیں۔ گویا اس سے بھی یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور یہ کہ یہ خود بخود اتفاقیہ حادثاتی طور پر بن رہی ہے اور فنا ہورہی ہے۔[9]

ان کی بدنصیبی دیکھیے کہ یہ لوگ جو بہت محنت کررہے ہیں، بہت وقت بلکہ پوری پوری زندگیاں کھپارہے ہیں، بڑا مال اور صلاحیتیں صرف کررہے ہیں۔ اس معاملے میں ان کی تعریف میں بخل نہیں کیا جاسکتا، ان کو داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ وہ انسان کے بنیادی سوالات کے جوابات کی تلاش میں ہیں۔ ہر قسم کے 'انسانی علم' کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں، زمین کی ایک ایک پرت میں تلاش کررہے ہیں، ہر مادّے میں، ہر جان دار میں، چھوٹی سے چھوٹی چیز میں۔ اربوں کھربوں گنا بڑی کرکے دکھانے والی خوردبینیں ایجاد کیں، تاکہ جوہر (atom) کے اندر اور زندہ حیاتیاتی خلیہ (living cell) کے اندر تک دیکھ سکیں۔ دنیا کا چپہ چپہ ہی کیا، اس سوال کے جواب کی تلاش میں آسمانوں اور خلاؤں کو نہیں چھوڑا۔ اک اک شہابِ ثاقب کا خوردبینوں سے مطالعہ کررہے ہیں، اک اک شہابیئے، دُم دار سیارچے (comets)، سیارے اور ان کے چاندوں پر تحقیق کررہے ہیں۔ نہ محنت میں کوئی کسر ہے، نہ سرمایہ خرچ کرنے میں بخل، مصنوعی سیارے تک خلا میں بھیج بھیج کر معلومات جمع کررہے ہیں۔[10]

اصل سوال کیا ہے جس کی تلاش میں یہ لوگ سرگرداں ہیں؟ سوال وہی ہے کہ یہ ساری کائنات اور انسان کب، کہاں، کیسے اور کیوں وجود میں آئے؟ ہماری ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ ایک اہم اور بڑا سوال کہ ہم کس مقصد اور کس کام کے لیے تخلیق کیے گئے؟ ہمارا اس کائنات میں کیا کردار ہے؟ کیا ہم پہلی اور آخری مرتبہ پیدا ہوئے ہیں؟ کیا ہم مرکر ہمیشہ کے لیے مٹی میں مل جائیں گے یا ہم کو ایک نئی زندگی دوبارہ عطا کی جائے گی؟[11]

صد افسوس کہ ان کی ساری محنتیں اور کوششیں اکارت جارہی ہیں، کیوں کہ یہ لوگ اپنی تحقیقات کی بنیاد ہی غلط ڈالتے ہیں۔ ان کا رویّہ ذرا بھی اِنصاف کے ساتھ غیر جانب دار نہیں ہے، ان کی فکر انتہائی غیر علمی، غیر سائنسی، غیر منطقی اور غیر عقلی ہے۔ اگر کسی بات کا کھوج لگانے والا پہلے ہی یہ طے کرلے کہ وہ یہ نتیجہ آئے تو قبول کرے گا، اس کے خلاف دوسرا آئے تو رَد کردے گا۔ پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے قائم کیے ہوئے گمان کو یقین پر ترجیح دے گا تو اس کو اپنی تحقیق میں بھی وہی کچھ نظر آئے گا جو اس کا گمان (presumption) ہوگا۔ وہ اپنی محنت سے حاصل کیے ہوئے صحیح نتائج کو بھی رَد کر کے اپنے علم کے مُردہ خانے میں جمع کر دے گا۔ اگر کوئی شخص ایک رنگ کی عینک لگا کر دنیا کو دیکھے گا تو اس کو ہر چیز کا وہی رنگ نظر آئے گا جو عینک کے شیشوں کا رنگ ہوگا۔ کوئی دوسرا رنگ وہ کیسے دیکھ سکے گا؟

پوری دنیا کی جامعات میں ہر مضمون کے 'انسانی علوم' میں ڈاکٹریٹ کرنے اور کرانے والوں کی ۹ء۹۹ فی صد اکثریت نے یہ فرض بلکہ یقین کر رکھا ہے کہ یہ کائنات، یہ زمین، یہ حیات اور انسان اپنے آپ، ازخود، اتفاقیہ حادثاتی طور پر وجود میں آگئے ہیں۔ وہ دوسرے کسی اِمکان و اِحتمال پر غور ہی نہیں کرنا چاہتے، چاہے وہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو۔

یہ سب آپ سے آپ، ازخود، اتفاقیہ اور حادثاتی طور پر بن جانے کا احتمال چاہے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، یہ لوگ اس کے علاوہ کسی دوسری بات پر غور کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ جو اِمکانات اور اِحتمالات نظر آرہے ہیں ان پر غور وفکر کرنے کو غیر علمی، غیر سائنسی اور غیر عقلی بات سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں کہ ان ساری موجودات کا کوئی خالق بھی ہے یا ہوسکتا ہے۔

کوئی ایسا کام ہونا چاہیے کہ جو ان عقل کے اندھوں کی آنکھیں کھلوا سکے۔ ان کو انصاف پر مبنی غیر جانب دار اور حقیقی و عقلی رویّے کی طرف بلائے۔ ان کو اصل علمی، عقلی اور سائنسی طریقے کی طرف مائل کرے اور پھر ان کے قلوب میں اپنے اور ان کے خالق کی جگہ بنائے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو مجبُور کیا جائے کہ خالق کو مانیں۔ تاہم یہ تو ہونا چاہیے کہ یہ لوگ اپنی تحقیقات میں اپنے ہی بڑے بڑے سائنس دانوں کی بتائی ہوئی 'سائنس' کی اصل تعریف کے مطابق خالص (pure) علمی طریقہ اختیار کریں۔ صاف اور کھلے دل و دماغ کے ساتھ ہر امکان اور اِحتمال کو انصاف کے ساتھ حق کے مطابق برابر کی اہمیّت دیں، اور اپنے نتائج کو پہلے سے قائم کیے ہوئے گمان سے آزاد کر کے خود پرکھیں اور پھر کوئی نظریہ قائم کریں۔

حقیقتِ کائنات جاننے کا صحیح رویّہ

انسانی علم ہی کے مطابق یہ کائنات، یہ زندگی اور انسان، کیا صرف اتفاق سے کسی طاقت ور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بنائے بغیر خود بخود حادثاتی طور پر وجود میں آسکتے ہیں؟ دوسری غور طلب بات جس پر غور وفکر ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس جہاں میں جو کچھ ہم کو نظر آ رہا ہے، اس کے تخلیق کرنے والے کے اندر کیا صفات، طاقتیں، صلاحیتیں اور اختیارات ہونا ضروری ہیں جس کے بغیر وہ یہ سب کچھ تخلیق کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر چیز ابتدا سے خود تشکیل دے، کسی دوسرے سے کوئی چیز نہ لے، یعنی اس طرح وہ ہر شے کا اکیلا ہی مالک، خالق اور حاکم ہو۔ سب قوتیں بھی اسی کی ہوں، سب مادے بھی اسی کے ہوں۔ اسی سے تیسری اہم بات یہ نکلتی ہے کہ یہ کسی ایک ہی شخصیت کا کام ہو۔ جس طرح ان ساری تخلیقات کی پہلے سے منصوبہ سازی کی گئی، عظیم منصوبہ (The Grand Design) پہلے سے موجود تھا، اس کی تخلیق کے ہر ہر مرحلے کی ترتیب پہلے سے مقرر کی گئی، چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات پہلے سے طے کی گئیں، پھر اس کو بنانا شروع کیا گیا ہے اور اب تک اس کو چلایا جا رہا ہے، تو اس کی ملکیت میں، اس کے اختیارات میں، اس کی خلاّقیت میں، اس کی طاقتوں وصلاحیتوں میں، جیسا کچھ تنظیم، ربط اور توازن ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کام میں کسی کم تر سے کم تر ذات کی معمولی سی شرکت بھی اس تخلیق اور اس کی بنیاد پر چلنے والے سارے نظام کو بگاڑ دیتی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کائنات میں موجود مادّے توانائیاں اور زندگی کی انواع و اقسام کتنی عظیم اور وسیع ہیں تو ہم ان حقائق کو سامنے رکھ کر ان باتوں کی طرف اشارے کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا جو بھی مالک اور خالق ہے، جس نے بھی اس کو تشکیل دیا ہے اور چلا رہا ہے، اس کو کن کن طاقتوں اور صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیے۔

انسان کا علم کتنا ہی گہرا اور دقیق ہو، اس کا علم 'انسانی علم' ہے، انسان کے حواسِ خمسہ کی طرح ناقص و نامکمل۔ وہ اپنے 'علم' کی بنیاد پر اس بات کو سوچ بچار اور غور وفکر کے ذریعے معلوم ہی نہیں کرسکتا کہ اس کے خالق نے اس کو کس کام کے لیے، کس مقصد سے پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب صرف اور صرف اس کا پیدا کرنے والا خالق ہی دے سکتا ہے۔ انسان کے سائنس وفلسفہ سمیت جتنے بھی علوم ہیں، اس سوال کا جواب، ان کے دائرۂ کار میں شامل ہی نہیں ہے، یعنی اس سوال کا جواب حضرتِ انسان کے علم واختیار سے بالکل ہی باہر ہے۔ وہ کتنا ہی ترقی کیوں نہ کرلے، کتنا ہی علم حاصل کرلے، انسان اپنا مقصدِ وجود بتانے سے مکمل طور پر عاجز اور قاصر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'عظیم دھماکا' اور حقیقت پسندی

اگر ایک کمرے میں کچھ لکڑیاں، شیشہ، کپڑا اور لوہا پڑا ہو اور اس میں دھماکا ہو جائے، تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کمرے کی ضرورت کی ہر چیز بن جائے اور کمرہ مکمل طور پر سج جائے۔ اس مثال میں کچھ مادّے تو ہیں، مگر جسے وہ 'عظیم دھماکا' کہتے ہیں یہ تو اور بھی عجیب تھا۔ اس میں پہلے سے نہ کوئی مادّہ تھا، نہ کوئی توانائی تھی، مگر کہتے ہیں کہ یہ دھماکا ایک ایسا ہی عجیب دھماکا تھا۔ اس دھماکے سے، وقت کا آغاز ہوا، توانائی کا ظہور ہوا، سیکنڈ کے اربویں حصّے کے اندر ہی اس کو ذرا دیر کے لیے تھما کر بنیادی پس جوہری ذرّات (Basic Sub Atomic Particles) (فرمیونز اور بوسونز، قوارک اور لیپٹونز وغیرہ) بنائے گئے۔ ان سے پس جوہری ذرّات (پروٹونز، نیوٹرونز وغیرہ) بنائے گئے۔ پانچ منٹ کے اندر مرکزے بنائے گئے۔ اس کو مرکزہ سازی (Nucleosynthesis) کہتے ہیں۔[۱۲]

۳ سے ۱۰ لاکھ سال کے انتظار کے بعد جب درجۂ حرارت کم ہوا تو 'جواہر' یعنی ایٹمز (atoms) تشکیل پانے کا آغاز ہوا (ہائیڈروجن، ہیلیئم اور ڈیٹیریئم بنے)۔ پھر اس مادّے سے کائنات بننا شروع ہوئی۔ بڑے بڑے ستاروں میں مزید عناصر کے جواہر بنتے گئے۔ ایک ترتیب و تدریج کے ساتھ موجودہ پوری کائنات ارتقا پائی۔ کہکشاں بنی، نظامِ شمسی بنا، زمین بنی، زمین پر حیات پیدا ہوئی، نباتات و حیوانات ارتقا پائے اور حضرتِ انسان تشریف لائے۔ اس دھماکے کے نتیجے میں جو منظّم کائنات بنی اس کے پھیلنے کی رفتار میں، اس کی قوت میں، اس کی کثافت میں، پہلے سے ہی طے کیے گئے اِتنے باریک بین عمیق و دقیق حساب کتاب تھے کہ اس حساب کتاب میں، اگر اس کے پہلے ہی سیکنڈ کے اربویں کھربویں حصّے میں بھی ایک کی نسبت اربوں کھربوں کا بھی فرق آجاتا تو اس کائنات کا موجودہ شکل تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔[۱۳] کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار میں، اس کی قوت میں، اس کی کثافت میں اگر انتہائی معمولی سی بھی 'کمی' واقع ہو جاتی تو اس کائنات کے اجزا آپس میں جڑ جاتے اور پھیل کر موجودہ شکل تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا، اور اس کی رفتار میں بہت تھوڑا بھی 'اضافہ' ہو جاتا، تو یہ اَجزاے کائنات فضا میں بکھر جاتے اور پھر ان دونوں صورتوں میں نہ یہ کہکشائیں ہوتیں، نہ ستارے ہوتے، نہ زمین ہوتی اور نہ زمین پر زندگی ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دھماکے کے بعد اس کائنات میں اس کے اجزا کا جو پھیلاؤ ہو رہا ہے، اس کا ایک خاص تناسب کششِ ثقل سے قائم ہے۔ کششِ ثقل اس پھیلاؤ کو روک رہی ہے اور واپس پھر سے مرکز کی طرف لے جانے کے لیے اپنا زور صرف کر رہی ہے۔ انسانوں کے حساب کتاب کے نتائج بتا رہے ہیں کہ کششِ ثقل کی طاقت زیادہ ہے اور اس کشش کی طاقت کی وجہ سے کائنات کے اس پھیلاؤ کو نہ صرف یہ کہ رُک جانا چاہیے، بلکہ پھر واپس یک جا ہونے کی طرف مائل ہونا چاہیے، مگر ہو کیا رہا ہے کہ کوئی 'عجیب' اور 'نادیدہ قوت' ہے جو کششِ ثقل کے برعکس Anti Gravity کام کر رہی ہے۔[14] اس کے نتیجے میں کائنات سکڑنے کے بجائے پھیلتی ہی چلی جارہی ہے اور اس پھیلاؤ کی رفتار میں بھی کمی کے بجائے مسلسل اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ یہ کیسی عجیب اور نادیدہ قوت ہے؟ کیا یہ وہی قوت نہیں جو یہ سب کچھ انجام دینے والی ہے! انسان اس سلسلے میں صرف حیرت زدہ ہے۔

مندرجہ بالا نکات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس 'عظیم دھماکے' اور اس کے نتیجے میں کائنات کی تخلیق کے لیے، پہلے سے ہر تفصیل کی منصوبہ سازی کی گئی تھی۔ عظیم منصوبہ موجود تھا۔ اس میں پہلے سے نہایت باریک بینی سے اور عمیق حسابات کیے گئے تھے۔ مختلف کاموں کی ترتیب مقرر کی گئی تھی۔ اس کے ہر درجے میں بہت ہی نازک توازن قائم کیے گئے تھے۔ اس بات کی گواہی آج کے 'انسانی علم' والے یہ سائنس دان بھی دے رہے ہیں[15]، تو کیا یہ کام کسی نے نہیں کیا تھا؟ خود بخود، اتفاقاً، اپنے آپ، حادثاتی طور سے ہو گیا تھا؟ کیا اس کے بنانے والے کی نظر اپنے منصوبے (design) کے ہر ہر مرحلے اور اس کی ہر ہر تفصیل پر شروع سے آخر تک ایک ساتھ نہیں تھی؟ کیا اس کے اندازے اور اس کے منصوبوں کے توازن بہت دقیق حسابات کے ساتھ قائم نہیں کیے گئے تھے؟ اور کیا اس میں کہیں کوئی ذرا سی غلطی کا اِمکان بھی تھا؟ یا اس کام میں کوئی ذرا سی غلطی بھی ہے؟ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کیا اس کام کو کرنے کے لیے اس کی طاقت و قدرت بے پایاں نہیں تھی؟ اور کیا وہ ہر چیز، مادّے اور قوت (matter and forces) پر مکمل اختیار نہیں رکھتا تھا؟ کیا ان سب شرائط کو پورا کرنے والے کے بغیر یہ تخلیقات محض اِتفاق سے خود بخود حادثاتی طور پر ہو جانا ممکن تھا؟

پس 'عظیم دھماکے' کی حقیقت یہ ہے کہ ایک قوت ہے جس کے ارادے یا منصوبے کے مطابق، اس کی طاقت اور صلاحیت سے اسی قوت والے 'خالق' نے انسان سمیت یہ سب کچھ تخلیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا شروع کیا۔ اس تیزی سے (ایک سیکنڈ کے کھربویں حصے میں) کہ یہ انسانوں کو ایک دھماکا لگا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ 'عظیم دھماکا' نہیں بلکہ عظیم کام (تخلیق) کی ابتدا تھی، جس کو اس کا خالق ہر لمحے، ہر ہر مرحلے پر مکمل اختیار اور قدرت کے ساتھ انجام دے رہا تھا۔ اس عمل کے دوران ہر لمحہ تیزی سے بدلتی حالت کو دیکھ کر انسان کو یہ نرا دھماکا محسوس ہوا۔

حقیقت پسندی کا اور سائنسی حقائق کا تقاضا کیا یہ نہیں ہے کہ انسان کائنات کے اس 'عظیم منصوبہ ساز' (The Grand Designer)، اللہ تعالیٰ کی ہستی کو تسلیم کرلے! افسوس کہ مغربی تہذیب کے علَم بردار اور سیکولر بنیادوں پر زندگی کی تعمیر کے داعی اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ اس کھلی حقیقت کا اعتراف کرسکیں۔ بقول اقبال:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

قرآنِ مجید خود غور و فکر اور تدبر کی دعوت دے رہا ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ○ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (الذاریات ۵۱:۲۰-۲۱) زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے، اور خود تمھارے اپنے وجود میں ہیں۔ کیا تم کو سُوجھتا نہیں؟

حواشی

[1] Lluis Ribas de Pouplana, *The Genetic Code and the Origin of Life*, Bryan 2011, pg:12, New York, USA. Plenum Publishers , 2004.

[2] Neil deGrasse Tyson, Carls Liu, Robert Irion , *One Universe*, pg: 8 to11 & 171, Maryland, U.S.A. Chroma Graphics, Inc. Largo, Maryland, 2000. & Fred Heeren, *Show Me God*, Vol. no 1, pg:69-70, Third Edition, Wheeling, IL, USA. Day Star Publications, 1997.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[3] Lluis Ribas de Pouplana, *The Genetic Code and the Origin of Life*, pg: 6,7 & 12, New York, USA. Plenum Publishers , 2004.
پروفیسر شہزاد الحسن چشتی، انسان کی تخلیق، ص ۱۷-۱۸، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۷ء۔

[4] Lluis Ribas de Pouplana, *The Genetic Code and the Origin of Life*, pg:12, & Fred Heeren, *Show Me God*, Vol no. 1, pg:61.

[5] One Universe, pg167 & *The Genetic Code and the Origin of Life*, pg:4,5 &9. & Bryan Gaensler, *Extreme Cosmos*, pg: 29, Sydney Australia, New South Publishing, 2011.

[6] Stephen Hawking, *The Grand Design*, pg13, New York, Bantam Books (Random House, Inc.), 2010.

۷- ڈاکٹر محمود علی سدنی، فلسفہ، سائنس اور کائنات، ص ۱۱، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۵ء
Harry Bakalian & others, *The Nature of Science*, pg:15, First Edition, New Jersey, Prentice Hall, 1993.

[8] Stephen Hawking, *The Grand Design*, pg13.

[9] Neil deGrasse Tyson, Carls Liu, Robert Irion, *One Universe*, pg:178.

[10] Barry Anderson & others, *A Guide to Modern Science*, pg:220 to 225, Reprint 2002, San Francisco, Weldon Owen Production, 2002.

[11] Stephen Hawking, *A Brief History of Time*, pg:ix,xiii & pg:1, Reprint 1998, Berkxhire, G.B., Bantam Books, 1998.

[12] Neil deGrasse Tyson, Carls Liu, Robert Irion, *One Universe*, pg: 81,82.

[13] Fred Heeren, *Show Me God*, Vol no. 1, pg:69-70.

[14] Neil deGrasse Tyson, Carls Liu, Robert Irion, *One Universe*, pg: 198 - Maryland, U.S.A.

[15] Fred Heeren, *Show Me God*, Vol no 1, pg:69,70.

(مصنف کی کتاب: وہ کون ہے؟ سے ماخوذ)

© rasailojaraid.com